Fikr-o-Nasar vol.1: 9 (1964) © rasailojaraid.com

افکار

(۱)

محترم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اپنے مقالہ "تحقیق ربٰوا" میں ربٰوا (سود) کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ "ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافاً مضاعفہ ہو جائے ربٰوا ہے" اور اضعافاً مضاعفہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "سو کے اگلے سال دوسو اور اس سے اگلے سال چارسو اور پھر سولہ سو"

سو کے اگلے سال دوسو جس کا مطلب واضح ہے کہ شرح سود ۱۰۰ فیصدی ہے۔ اس سے اگلے سال دوسو سود کل چارسو ہوا۔ اس سے اگلے سال از روئے حساب چارسو اصل اور اس پر چارسو روپے سود یعنی کل آٹھ سو روپے ہونا چاہئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب سولہ سو فرماتے ہیں۔ کیا حساب کی روشنی میں آپ کی یہ تعریف غلط اور مبالغہ آمیز نہیں ہے؟[۱]

---

[۱] آپ کا یہ اعتراض ہماری ربٰوا کی تعریف پر نہیں، بلکہ اس کی جو مثال دی گئی تھی اس کے صرف ایک لفظ "سولہ" پر وارد ہوتا ہے۔ اگر تضعیف کا عمل ہندسی (GEOMETRICAL) نسبت سے ہو تو "سولہ سو" ہی بنتے ہیں۔ لیکن اگر حسابی (ARITHMETICAL) نسبت سے ہو تو "آٹھ سو" ہوں گے، جیساکہ آپ نے فرمایا ہے۔ ہم "سولہ سو" کی جگہ یہاں "آٹھ سو" ہی مان لیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

٢- کیا ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ ربوا (سود) کی تعریف سے کوئی کم شرح والا سود ربوا کے زمرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ہم امر واقعہ کے طور پر دیکھتے ہیں کہ کئی لوگ جنہوں نے پیسہ روپیہ ماہوار پر قرض لیا جو کہ ڈاکٹر صاحب کے ربوا (سود) کی شرح سے بہت کم ہے وہ سود کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تباہ ہو گئے اور پونجی بھی گنوا بیٹھے۔ اگر ایسا سود بھی ربوا نہیں تو کیا حرمت ربوا بے معنی اور بے مقصد نہیں ہو جاتی؟[٢]

٣- اگر ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا تعریف سے کسی بھی کم شرح کا سود ربوا شمار ہو سکتا ہے تو بینکنگ کا سود کیوں ربوا شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ سود بھی تو علامہ رشید رضا رح کے قول کے مطابق ایک طرف سرمایہ دار اور دوسری طرف مزدور پیدا کر کے امراء اور غرباء کے مابین نفرت و عداوت کی خلیج حائل کر رہا ہے۔ اور دلوں سے نیکی دور کر رہا ہے چنانچہ علامہ اقبال رح نے فرمایا:-

این بنوک این فکر چالاک یہود — نور حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد این نظام — دانش و تہذیب و دیں سودائے خام[٣]

٤- ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "قرآن کے نزدیک ربوا کی ضد صدقہ ہے ربوا اور صدقہ ایک تنی ہوئی رسی کے دو سرے ہیں تو بیع ان کے درمیان کہیں معلق ہے"۔

گزارش ہے کیا فزکس کے مطابق دو متخالف سمتوں کی طاقتوں سے رسی کے ٹوٹنے کا مقام ان طاقتوں کا حدِ فاصل متصور نہ ہوگا۔ یعنی کیا ربوا اور صدقہ کے درمیان وہی مقام حدِ فاصل نہیں جہاں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے اور اس مقام سے انچ بھر بھی ادھر جائیں تو ربوا (سود) اور انچ بھر بھی اُدھر سرکیں تو صدقہ نہ ہوگا۔ اور کیا عین یہی مقام خالص بیع کا نہیں جس میں نہ صدقہ کی رعایت ہے نہ ربوا کا ظلم؟[٤]

۵- اگر ڈاکٹر صاحب یہ فرمائیں کہ رسی کا ایک سرا ہی ربوا (سود) اور دوسرا سرا ہی صدقہ ہے تو کیا اس کا یہ

---

[٢] یوں تو پونجی گنوا بیٹھنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ لیکن محض اس سبب سے ان سب کو "ربوا" ہرگز نہیں کہا جائیگا۔

[٣] بنکاری کو سرمایہ دار اور مزدور کے طبقات پیدا کرنے اور امراء اور غرباء کے مابین نفرت و عداوت کی خلیج حائل کرنے کا سبب قرار دینا درست نہیں۔ بالفرض اگر ایسا ہی ہے، تو اشتراکی ملکوں میں بنکوں کے وجود کے بارے میں چودھری صاحب کیا فرمائیں گے۔؟

© rasailojaraid.com

[٤] "تنی ہوئی رسی" ایک استعارہ ہے، جسے فزکس کے اصولوں پر جانچنا کچھ ضرورت سے زیادہ سائنٹفک طرز فکر ہے۔

© rasailojaraid.com

مطلب نہ ہوگا کہ دنیا میں نہ کوئی ربوا ہے اور نہ کوئی صدقہ۔ کیونکہ رسی کو تو ہم بے حد دراز کر سکتے ہیں یعنی ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ربوا تو وہ ہوتا ہے جو اصل سے لاکھ گنا بڑھ جائے اور صدقہ وہ ہوتا ہے جس میں پہاڑ کے وزن کا سونا دیا جائے۔ کیا اس سے ربوا اور صدقہ کی اصطلاحات بے معنی، بے مقصد اور کالعدم نہیں ہو جاتیں؟ [۵]

۶۔ کیا اگر کوئی ایک پیسہ صدقہ دے تو وہ صدقہ نہیں اور اگر وہ صدقہ ہے اور یقیناً مسلّمہ طور پر صدقہ ہے تو ربوا کا ایک پیسہ کیوں ربوا نہیں؟ [۶]

۷۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی جس آیت پر اپنے مقالہ کی بنیاد رکھی ہے وہ ان کے اپنے قول کے مطابق یہ ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(آل عمران ۳ : ۱۳۰)

(وہ خود اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں) اے ایمان والو یہ دو چند سہ چند ہونے والا ربوا (سود) کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو امید ہے فلاح پاؤ گے۔

یہ آیت اور اس کا ترجمہ تشریح طلب نہیں بلکہ اپنا مطلب خود بیان کرتے ہیں لہٰذا میں کسی لفظ کے اضافہ بغیر سوال عرض کرتا ہوں:۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ شرح سود خواہ کتنی ہی کم ہو پھر بھی سود اپنے اصل سے دو چند سہ چند ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے؟ یہ بات الگ ہے کہ اگر شرح سود زیادہ ہوگی تو وہ جلد دو چند سہ چند ہو جائیگا اور اگر شرح سود کم ہوگی تو ذرا دیر لگ جائے گی۔ لیکن اس کی دو چند سہ چند ہونے والی صفت میں تو کوئی امر مانع ہو ہی نہیں سکتا۔ [۷]

---

[۵] ہم "رسی کے ایک سرے ہی" کو ربوا اور "دوسرے سرے ہی" کو صدقہ بتانے کی غیر سائنٹفک غلطی ہرگز نہیں کرینگے۔ اس لئے یہ سائنٹفک سوال ہم پر وارد نہیں ہوتا۔

[۶] یقیناً ربوا ہے، بشرطیکہ اس پر ربوا کی قرآنی تعریف صادق آتی ہو۔

[۷] شرح منافع میں جس قدر دو چند سہ چند ہونے کی صفت موجود ہوگی، اسی قدر زیادہ وہ ربوا کی قرآنی تعریف کے قریب ہوگی۔ اس بارے میں صائب رائے ریاضی کی ضرب تقسیم کے ذریعہ نہیں، بلکہ عقل سلیم (COMMON SENSE) کے الہام و تفہیم کے ذریعہ قائم کی جاسکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ کیا قرآن حکیم جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نیکی اور بدی کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ خود ربوا (سود) جیسے اہم معاملہ کی نشان دہی اور حد بندی کرنے سے قاصر ہے اور اس کو لوگوں کے قیاسات پر چھوڑ تا ہے؟ [۵۸]

اگر قرآن حکیم ربوا (سود) جس کی وہ شدید ترین مذمت کرتا ہے کی نشان دہی اور حد بندی کرنے سے قاصر ہے تو اس کا بلند بانگ دعویٰ کیا ہوا؟

۹۔ کیا یہ قرآن حکیم کی آیت نہیں کہ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ ربوا (سود) سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں"۔ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۔ تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں کیا اس آیت کا واضح طور پر یہ مطلب نہیں کہ تم صرف اپنے اصل مال کے حقدار ہو۔ اصل مال سے اگر ایک پیسہ بھی زائد لوگے تو وہ ربوا ہے کیا یہ ربوا (سود) کی واضح طور پر نشاندہی اور حد بندی نہیں کہ " اصل مال سے اوپر جو کچھ بھی ہے وہ ربوا ہے خواہ وہ ایک پیسہ ہے یا دو پیسہ؟"

کیا وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا میں ربوا (سود) کی مزید تشریح اور وضاحت نہیں کردی گئی کہ جو کچھ بھی باقی ہے خواہ پیسہ ہے یا روپیہ اسے چھوڑ دو وہ ربوا (سود) ہے؟ [۵۹]

۱۰۔ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۔ تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں۔ کیا اموال (یعنی ہر قسم کا

---

[۵۸] یہی سوال ہمارا ہے۔ لیکن ہر جگہ اس سوال سے کام نہیں چلے گا۔ قرآنی احکام کا اپنا تاریخی پس منظر ہے جسے جاننا ان احکام کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے۔ [۵۹] و [۶۰] زمانۂ جاہلیت میں ربوا کا ایک خاص نظام تھا جس کی نشاندہی ہم تفصیل کے ساتھ اپنے مضمون میں کر چکے ہیں۔ یہاں اسی نظام کے تحت لئے ہوئے ربوا کا ذکر ہے کہ "جو کچھ بھی باقی ہے، خواہ پیسہ یا روپیہ، اسے چھوڑ دو، وہ ربوا ہے"۔ اسی مخصوص جاہلی لین دین کے لئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تم صرف اپنے اصل مال کے حقدار ہو"۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "اصل مال سے اوپر جو کچھ بھی ہے، وہ ربوا ہے، خواہ وہ ایک پیسہ ہے یا دو پیسہ"۔ قرآن اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن کے خلاف اسلئے ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جو جاہلی ربوا رائج تھا، قرآن نے اُسکی مخالفت کی ہے، نہ کہ "اصل مال سے اوپر جو کچھ ہے" اُس کی۔ عقل کے خلاف اس لئے کہ اگر یہ نتیجہ درست تسلیم کر لیا جائے تو بھیری میں دو پیسہ کمانے والے غریب کی روزی بھی ماری جاتی ہے کیونکہ وہ بھی "اصل مال سے اوپر جو کچھ ہے" کی زد میں آجاتی ہے۔ مزید دیکھئے صہ ۶۰، ۶۱، ۶۲ کے حواشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مال) کا لفظ صاف یہ نہیں بتلاتا کہ ہر قسم کے مال میں ربٰوا (سود) ہو سکتا ہے۔ اور کسی قسم کے مال پر بھی تم زیادہ ستانی نہیں کر سکتے۔ وہ ربٰوا (سود) ہے جو قلیل بھی ہو سکتا ہے اور کثیر بھی؟[10]

۱۱۔ کیا بنکوں کا ربٰوا جس کا نام اب ڈاکٹر صاحب نے منافع رکھ لیا ہے یہ اپنے اصل مال سے اوپر نہیں اور کیا یہ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ کی خلاف ورزی نہیں؟ کیا یہ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا کی گرفت سے باہر ہے؟ اور کیا یہ دوچند سہ چند نہیں ہو رہا؟[11]

۱۲۔ کیا مندرجہ بالا آیات اپنا مطلب آپ بیان نہیں کرتیں؟ کیا ان میں کوئی ابہام، کوئی تشریح طلب امر یا کوئی تشنگی ہے کیا فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ اور وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا (تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں ربٰوا سے جو کچھ بھی باقی ہے اسے چھوڑ دو) کی روشنی میں صاف دکھائی نہیں دیتا کہ ربٰوا (سود) وہ ہوتا ہے جو اپنے مال یا اپنے مال کی مالیت سے زائد مال لیا جائے؟ نقدی (روپیہ) تو محض تبادلۂ اشیا میں سہولت پیدا کرنے کے لئے حکومت کا جاری کردہ سکہ ہے اس کی تو کوئی خاص ذاتی حیثیت ہی نہیں۔ اصل چیز تو اموال ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔ جس میں مروّجہ سکہ بھی ضمناً شامل ہے۔[12]

۱۳۔ مندرجہ بالا بحث کو پڑھ کر آپ لازماً سوال کریں گے کہ کیا بٹائی کرائے منافع بھی ربٰوا ہیں۔ میرا جواب قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہے:۔

فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں)

اگر آدمی کسی کو زمین دیتا ہے تو وہ اپنی زمین واپس لے سکتا ہے۔ ہاں بوجہ فصل لینے کے اگر زمین کی طاقت

---

[10] بنکوں کے منافع کو عرب ممالک میں بھی "ربٰوا" نہیں، بلکہ "فائدہ" کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت بنک نہیں تھے۔ ان کے طریقۂ کاروبار کے بارے میں قرآن سے استنباط کرنے کے لئے مطالعہ، تحقیق، غور و فکر اور بحث و نظر کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر محض لفظوں سے دھوکا کھانا درست نہیں۔ بقیہ سوالات کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق (۹ و ۱۰)

[12] اس طرح تو ہر قسم کے جوئے کی [illegible] قرآن و سنت کی رو سے روا ہے۔ نہ عقل اس کی اجازت دیگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمزور ہوگئی ہے تو اس میں کھاد ڈلوا سکتا ہے یا اس میں استعمال سے گڑھے پڑ گئے ہیں یا وٹ بندی کو نقصان پہنچا ہے تو اس کا معاوضہ لے سکتا ہے یا اسے ٹھیک کروا سکتا ہے۔ بلا محنت و مشقت مفت بٹائی خوری کس کا معاوضہ ہے کیا یہ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ کی حد سے تجاوز کرنا نہیں اور کیا دنیا میں یہی چیز بنیادی طور پر باعث فساد نہیں؟ کیا یہی چیز مالک و مزارع کے دو طبقات پیدا کر کے ان کے درمیان بغض و حسد عداوت، لالچ اور مقابلہ کی آگ کو نہیں بھڑکا رہی؟ ربوا کی بنیاد ہی بٹائی ہے ربوا پیدا ہی یہاں سے ہوتا ہے بنکوں میں تو ربوا (سود) کی محض خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر بٹائی ربوا نہیں تو دنیا میں کوئی بھی ربوا نہیں۔

لگے ہاتھ مولانا مودودی صاحب کی ربوا کی تعریف ملاحظہ فرمایئے اور اس کو بٹائی پر منطبق کر کے دیکھئے۔ صاحب موصوف اپنی کتاب "سود" حصہ اوّل صفحہ ۳۶ پر ربوا (سود) کی یوں تعریف کرتے ہیں:۔

"ربوا یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابل راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعیین پہلے سے بطور ایک شرط معاملہ طے کر لی جاتی ہے اسی زائد رقم کا نام سود یا ربوا ہے جو کسی خاص مال یا شئے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے۔"

اب اس تعریف کو بٹائی پر منطبق کر کے دیکھئے:۔

ربوا یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ
بٹائی — اپنی زمین

میں اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابل
اتنی پیداوار — زمین — زمین

راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعین پہلے بطور ایک شرط معاملہ کے
زمین — پیداوار

کر لی جاتی ہے۔ اسی زائد رقم کا نام سود یا ربوا ہے جو کسی خاص مال یا شئے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا
پیداوار — بٹائی

معاوضہ ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا مودودی صاحب کی پیش کردہ مندرجہ بالا سود کی تعریف کو دیکھئے اور اس پر بٹائی کے انطباق کو ملاحظہ کیجئے پھر سود اور بٹائی کی کیفیت ماہیت اور خواص پر غور فرمایئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ آیا ان میں کوئی فرق ہے۔ علیٰ ہٰذا کرایہ کو پرکھ لیجئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ ؁۱۳

۱۴۔ رہا منافع۔ کیا منافع اپنے اصل مال سے زائد لینا نہیں ؟

آخر منافع کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ لین دین کے دوران دوسروں کی کمائی ہوئی دولت بلا محنت مشقت حاصل کر لی جائے ؟ اگر منافع خوری اسلامی تعلیم ہے تو انفاق فی سبیل اللہ، دوسروں کی مدد امداد، ان سے تعاون، ہمدردی اور نیکی کی تعلیم کیا ہوئی ؟ کیا منافع کے جواز سے وہ ساری تعلیم بے معنی بے مقصد اور کالعدم ہو کر نہیں رہ جاتی ؟ یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کا حکم دے، اور دوسری طرف منافع خوری کی اجازت بخشے ؟ کیا دوسروں کی مدد، امداد تعاون اور صدقات و زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ پہلے لین دین اور خرید و فروخت کے دوران دوسروں کی کمائی ہوئی دولت کو منافع کے نام سے ہتھیا لیا جائے اور پھر اس میں سے کچھ احسان کے طور پر بخشش کر دی جائے ؟ ؁۱۴

؁۱۳ بٹائی کو فقہ کی اصطلاح میں "مخابرہ" کہتے ہیں۔ ہم اپنے مضمون میں اس کی مذمت بہت واضح لفظوں میں کر چکے ہیں۔ اسی طرح مولانا مودودی کی تعریفِ ربوا سے ہم متفق نہیں اور اس سے اختلاف کرنے کی وجہ ہم اپنے مضمون میں بالتفصیل پیش کر چکے ہیں۔

؁۱۴ نفع اندوزی یا منافع خوری جسے انگریزی میں PROFITEERING کہتے ہیں یقیناً قرآن حکیم کی تعلیم صادقہ کی روح کے منافی ہے اور ہم نے اپنے مضمون میں اسے اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سوال بلکہ باقی تمام سوالات ہمارے مضمون پر وارد نہیں ہوتے، کیونکہ ہم نے اپنے مضمون میں بارہا قرآن حکیم کی باہمی امداد و تعاون کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ البتہ ہم اس معاملہ میں قرآنی طریقۂ امہال و تیسیر کے قائل ہیں۔ قرآنی اصولِ امہال کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم مہلت دیتا ہے اور اپنے احکام بتدریج نازل کرتا ہے۔ اصولِ تیسیر سے مراد یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں کیلئے آسانی (یُسر) چاہتا ہے۔ وہ کسی ایسے حکم کے نفاذ کا طالب نہیں جس سے اس کی مخلوق کے معاش میں حرج واقع ہوتا ہو۔ اس کے برخلاف محترم چودھری صاحب کے سوالات میں انقلابی شدت اور اشتراکی انتہا پسندی ہے۔ بایں ہمہ ان کے خیالات سنجیدہ غور و خوض کے مستحق ہیں اور انکی مخلصانہ سعی کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ یہ کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ جناب رسولِ اکرمؐ اور ان کے صحابہ کرامؓ منافع خوری کیا کرتے تھے؟ کیا یہ ان مقدس ہستیوں پر بہتان نہیں جنہوں نے اپنا مال و متاع اللہ کے راستے میں دے دیا اور کیا یہ اپنی منافع خوری کے جواز کے لئے محض ایک بہانہ نہیں؟

کیا یہ منافع خوری ہی نہیں جو دلوں میں نفرت، بغض و حسد اور مقابلہ کی خلیج حائل کر کے نیکی، ہمدردی اور تعاون کے جذبہ کو ملیا میٹ کر رہی ہے؟ کیا منافع میں جتنی دولت ایک آدمی کے پاس آتی ہے اتنی ہی دولت کی دوسرے مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں کمی واقع نہیں ہوجاتی؟ کیا منافع محض لین دین کے دوران ایک بھائی کی دولت کا دوسرے بھائی کے ہاتھ میں چلے جانے کا نام نہیں؟

۱۶۔ کیا جہاں منافع خوری کا سوال ہوتا ہے وہیں فساد اور بغض و عداوت عدم تعاون، مقابلہ اور دیگر مختلف قسم کی برائیاں پیدا نہیں ہوجاتیں ایسی گندی اور بنائے فساد تعلیم کو قرآن حکیم کی طرف منسوب کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ یہ کہنا کہ اَحَلَّ اللّٰہُ البیع میں منافع خوری جائز ہے، کہاں کا انصاف ہے؟ اس آیت میں منافع کا لفظ کہاں ہے؟ کیا بیع کے معنی منافع ہے؟ اگر نہیں تو منافع کا لفظ اپنی طرف سے کیوں لگایا جاتا ہے؟ کیا یہ قرآن کی تعلیم کو مسخ کرنا نہیں؟ کیا قرآن حکیم نے غیر مشروط طور پر بیع کو حلال کیا ہے؟ کیا نیلامی اور دلالی والی بیع، لاٹری اور سٹے والی بیع احتکار، اکتناز اور محاقلہ، مزابنہ، والی بیع، بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ والی بیع، منڈی میں محض اشیاء کی رسد اور طلب کے عدم توازن سے ان کی قیمتوں میں گرانی اور ارزانی پیدا کرنے والی بیع، ادھار قسطوں والی، کمیشن اور ڈسکاؤنٹ والی بیع، منافع خوری اور سود والی بیع تجارتی رازوں اور ہتھکنڈوں، دکھلاوے، دھوکے، فریب اور اشتہار بازی والی بیع، یعنی یہ تمام بیوع جس پر مروجہ تجارت کا دارومدار انحصار ہے، یہ سب غیر مشروط طور پر حلال ہیں اور ان کے ذریعے منافع خوری جائز ہے۔ تو کیا اس سے ربوٰا کی حرمت بے معنی، بے مقصد اور کالعدم نہیں ہوجاتی اور قرآن حکیم کی اعلیٰ اور ارفع تعلیم پر پانی نہیں پھر جاتا؟ اگر یہ سب بیوع ناجائز ہیں تو منافع کیا ہوا؟

اگر منافع جائز ہوتا تو کیا اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ کی بجائے اَحَلَّ اللّٰہُ المنافِعَ فِی البیعِ نہ ہونی چاہئے تھی اور حَرَّمَ الرِّبٰوا بالکل حذف نہ ہونا چاہئے تھا؟ اگر منافع کرایہ اور بٹائی خوریاں جائز ہوتیں تو ربوا (سود) کی حرمت کا سوال ہی پیدا نہ ہوسکتا تھا۔

۱۷۔ کیا قرآن حکیم نے ان لوگوں کے جواب میں جو بیع اور ربوا کو یکساں سمجھتے تھے اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حَرَّمَ الرِّبٰوا کے الفاظ میں، بالکل صاف، واضح اور مُسکت جواب نہیں دے دیا کہ بیع حَرَّمَ الرِّبٰوا کی شرط کے ساتھ حلال ہے؟ یعنی بیع میں ربٰوا، بڑھوتری، منافع وغیرہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔ صحیح، خالص، پاک اور بے عیب بیع صرف وہی ہو سکتی ہے جو ربٰوا کی میل کچیل سے پاک ہو۔ ہاں خرید و فروخت میں مال، اسباب اور اشیاء بنانے، لانے، لے جانے، مہیا کرنے وغیرہ کی جو محنت ہے اس کے مطابق قیمت خرید پر اضافہ ہو سکتا ہے۔ یا اشیاء کی صحیح مالیت معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں جو کمی بیشی ہو سکتی ہے وہ برداشت ہو سکتی ہے جو کہ بالکل جدا بات ہے۔

۱۸۔ دراصل مسئلہ ربٰوا (سود) میں الجھن ہی بٹائی، کرائے اور منافع وغیرہ ہیں۔ اگر یہ جائز رہیں گے تو مسئلہ ربٰوا کبھی حل نہیں ہو سکے گا۔ اور نہ ہی کسی قسم کے ربٰوا کو ختم کیا جا سکے گا۔ بٹائی، کرائے، منافع، انعام وغیرہ سب ایک ہی روح کے مختلف قالب ہیں۔ اگر یہ زندہ رہیں گے تو سارے کے سارے اور اگر مریں گے تو سب کے سب۔ ان میں سے آپ کسی ایک کو بھی نہ علیحدہ طور پر مار سکتے ہیں اور نہ زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی زندگی سب کی زندگی اور ایک کی موت سب کی موت ہے کیونکہ ان سب میں ایک ہی روح ہے۔ یہ اسلام کے دشمن اور اسلام ان کا دشمن ہے۔ ان کی بادشاہی میں اسلام نہیں رہ سکتا اور اسلام کی سلطنت میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیا قرآن حکیم کا صاف ارشاد نہیں (ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ ربٰوا (سود) سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں۔

۱۹۔ سود یا منافع بنکوں یا مارکیٹوں میں پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہاں سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ وہاں تو اس کی صرف خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کا اصل مقام کھیت اور کارخانہ ہے۔ اور اس کی پیدائش کی وجہ یہ ہے کہ ایک طبقہ کھیتوں اور کارخانوں کا مالک ہے اور دوسرا طبقہ نادار اور حاجت مند ہے۔ مالک طبقہ نادار طبقہ کو اپنے کھیتوں اور کارخانوں میں کام مہیا کر کے ان سے اپنے کھیتوں اور کارخانوں کے استعمال کا معاوضہ لے لیتا ہے۔ یہی دراصل ربٰوا، سود یا منافع ہے جس کی مارکیٹوں اور بینکوں میں فروخت ہوتی ہے۔ قرض پر دیا ہوا روپیہ بھی کھیتوں اور کارخانوں میں ہی منتقل ہو کر سود پیدا کرتا ہے۔

۲۰۔ اگر آپ سود کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ اور رسول کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے ملت کے ہر فرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ذرائع پیدا وار مہیا کرنے کی فکر کیجئے۔ ربوا (سود) چھوڑنے اور باضابطہ نظام زکوٰۃ قائم کرنے سے یہ کام آسانی سے ہو سکے گا۔ زکوٰۃ کا یہ مطلب نہیں کہ ناداروں اور حاجت مندوں کو کھانا، کپڑا یا کچھ نقدی دے کر روانہ کر دیا جائے۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ سے قومی کارخانے تعمیر کئے جائیں۔ اور ان کو امداد باہمی کے طریق پر چلایا جائے۔ اور ادھر سود کو ختم کرنے کے لئے خود کاشت کی حد تک زمینوں کی ملکیت محدود کر کے زراعت کو بھی کوآپریٹو بنیاد پر قائم کیا جائے۔ ساتھ ساتھ تجارت کو بھی امداد باہمی کے طریق پر رائج کرنے سے سود کا مسئلہ بالکل حل ہو جائے گا۔ نظامِ زکوٰۃ شروع کرنے کے لئے پہلے اس روپے پر زکوٰۃ عائد کی جائے جو سود پر چڑھا ہوا ہے۔ اس طرح مالکان سرمایہ کو زکوٰۃ کا بوجھ بھی محسوس نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کی کمی کو سود پورا کر دیگا۔

سود کو ختم کرنے اور نظامِ زکوٰۃ کو باضابطہ قائم کرنے سے ملت کے ہر فرد کو ذرائع پیداوار مہیا ہونے کی ضمانت مل جائے گی۔ معاشی جرائم اور برائیوں کا خاتمہ ہو گا۔ رزق میں فراوانی ہوگی۔ ہر ایک آدمی کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملے گا۔ اور معاشی فکر و غم سے نجات حاصل ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

مروجہ نظام معاش سراسر ربوا (سودی اصول) پر مبنی ہے۔ پاکستان کو اگر صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانا ہو تو سودی نظام کو ختم اور نظامِ زکوٰۃ کو کماحقہٗ رائج کرنا لازمی ہے ورنہ مغربی تہذیب و تمدن کا چھا جانا یقینی ہے۔

(چودھری) محمد اسماعیل

خادم ادارۂ معیشت اسلامی

آئی/۷۶۹ مری روڈ۔ راولپنڈی شہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳)

[رسالہ "بیّنات"، کراچی کی جنوری ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے مقالہ "تحقیقِ ربوا" پر تبصرہ کی پہلی قسط "فضل الرحمانی تحقیقِ ربوا کی حقیقت" کے عنوان سے چھپی ہے۔ کسی صاحب نے ابو اسامہ حسن العجمی کے اصلی یا فرضی نام سے یہ تنقید شائع کی ہے۔ اسے پیش کرتے ہوئے رسالہ کی مجلس ادارت کے ایک رکن غلام محمد صاحب نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے کہ "اس مضمون میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے مضمون 'تحقیقِ ربوا' کا فقرہ بہ فقرہ جائزہ لیکر اس کو تحقیق کی میزان میں تولا گیا ہے۔" ہم اس تنقید کو ایک کالم میں اور دوسرے کالم میں ڈاکٹر صاحب کے مضمون کو شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ تحقیق کی میزان قارئینِ کرام کے سامنے آجائے۔

عجمی صاحب نے اپنی تحریر کا مقصد یہ بتایا ہے کہ "جس ذہنی کجی، علمی بددیانتی اور فنّی بے اعتدالی کا مظاہرہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے ادارے کے اشتہاری پلندے (فکر و نظر) میں کیا ہے اس کو خالص علمی انداز میں قوم کے سامنے واضح کیا جائے تاکہ کل کسی حیلہ جو کو یہ حجت کرنے کی جرأت نہ ہو سکے کہ ادارہ تحقیقات اسلامی برسہا برس کی عرق ریزی کے بعد سود کے جواز کے جس نتیجہ پر پہنچا اس کا کوئی رد پیش نہ کیا گیا۔" عجمی صاحب کے "خالص علمی انداز" کا اندازہ اسی ایک عبارت سے لگایا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنے قارئینِ کرام سے ندامت ہے کہ ہم ان کی خدمت میں ایک ایسی تحریر پیش کر رہے ہیں۔ جس کو ان کا ذوقِ لطیف قبول نہ کر سکے گا۔ لیکن ہمیں اپنے وعدے کو نبھانا ہے۔ علاوہ ازیں "بیّنات" کی یہ تحریر ہمارے ملک کے ایک موقر ادارے کی ترجمانی کی دعویدار ہے اس لئے ایک مخصوص حلقے میں اہمیت رکھتی ہے۔ ہم نے قارئینِ کرام کے احساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس تبصرہ کے ابتدائی صفحات جن میں "پس منظر" کے عنوان سے ذاتیات کی گھناؤنی باتیں درج تھیں اور جن کا بہت ہی شستہ نمونہ مندرجہ بالا عبارت ہے، نقل نہیں کئے۔ بلکہ "سرمطالعہ" کے عنوان سے آگے جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ درجِ ذیل ہے۔

ہم نے اپنے حواشی میں کوشش کی ہے کہ ذاتی قسم کے حملوں کا مطلق جواب نہ دیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ان سے کامل اعراض برتیں۔ ہماری کوشش یہ بھی ہے کہ اصولی بحثوں میں بھی اپنی طرف سے تلخی نہ آنے دیں لیکن اگر ہم اپنی کوشش میں کماحقہٗ کامیاب نہ ہوئے ہوں تو اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔ (مدیر)

تحقیق ربٰوا

(ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب)

(نوٹ:۔ فارسی زبان کا لفظ 'سود' قرآنی اصطلاح 'ربٰوا' کا مترادف نہیں ہے۔ اس فارسی لفظ کے لغوی معنی 'نفع' ہیں جس کا ضد 'زیان' ہے اور جس کا عربی مترادف 'ربح' ہے۔ اس مقالے میں 'ربٰوا' کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن قرآن کے اصطلاحی ربٰوا کا اردو، فارسی یا کسی اور عجمی زبان میں ترجمہ کرنا راقم الحروف کے نزدیک نہ صرف سعی لاحاصل ہے بلکہ بنائے باطل بھی)

ربٰوا یا ربا (مادہ: ر، ب، و) کے لغوی معنی ہیں: اگنا، نشو ونما پانا، جیسے

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ لہلہانے اور نشو ونما پانے لگتی ہے۔ (الحج، ۲۲: ۵)

بڑھنا جیسے:

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (البقرۃ ۲: ۲۷۶) اللہ ربٰوا کو گھٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے

فضل الرحمانی تحقیق ربٰوا کی حقیقت

(ابو اسامہ حسن العجمی صاحب)

زیر تبصرہ مضمون ۴۹ صفحات پر حاوی ہے۔ اس سارے مضمون کا ماحصل اگر چند الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہوگا:۔

"قرآن پاک میں سود کے احکام کے سلسلے میں اصل حیثیت نہ تو مکی دور کی پہلی آیتِ ربا کو حاصل اور نہ ان آخری آیات کو جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ بلکہ اصلی اہمیت درمیانی آیت" لا تاکلوا الربٰوا اضعافا مضاعفہ" کی ہے جس میں اضعافا مضاعفہ کی شرط لگا کر دہ گنے چوگنے سود کو حرام کیا گیا ہے۔ احادیث اس سلسلے میں ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ان میں تناقض تضاد، مفروضے، ارتقائی کرشمے، من مانے اضافے اور من گھڑت افسانے شامل ہیں۔ رہ گئی فقہ تو جس کی عمارت ہی ایسی ناقص (نعوذ باللہ، نقلِ کفر کفر نباشد) احادیث کی بنیاد پر کھڑی کی گئی ہو وہ بھلا کہاں قابلِ التفات ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ اضعافا مضاعفہ کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مفسرین نے بعض مقامات پر یہ بھی لکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا — اور جو مال ربوا میں لگاتے
لِّيَرْبُوَا فِي أَمْوَالِ النَّاسِ — ہو کہ لوگوں کی دولت میں جاکر
فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ — بڑھ جائے تو اللہ کے نزدیک
(الروم، ۳۰:۳۹) — یہ بڑھوتری نہیں ہے۔

ابھرنا (جیسے

وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ — اور ہم نے ان دونوں کو ابھری
(المومنون، ۲۳:۵۰) — ہوئی جگہ یعنی ٹیلے پر پناہ دی
كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ — کسی باغ کی مثل جو کسی ٹیلے
(البقرة، ۲:۲۶۵) — پر ہو۔

پھولنا (جیسے

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا — پھر سیلاب پھولی ہوئی جھاگ
رَّابِيًا (الرعد، ۱۳:۱۷) — کو بہالے گیا)

پالنا پرورش کرنا (جیسے

ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا — جس طرح ان والدین نے مجھے
(بنی اسرائیل، ۱۷:۲۶) — صغر سنی میں پالا پوسا اور بڑا
کیا تو اسی طرح تو ان پر رحم کیجو)

أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا — کیا ہم نے تجھے بچپن میں نہیں

ہے کہ سود بڑھتے بڑھتے دوگنا چوگنا ہو جاتا تھا اس لئے جو سود اصل زر سے بڑھ کر دوگنا چوگنا ہو جائے وہ حرام ہے اور اگر نہ ہو تو پھر حلال۔ موجودہ بینکوں کا سود چونکہ خالص معاشی اصول کے مطابق کم سے کم ہوتا ہے اس لئے جائز ہے اور اس کا نام ربوا نہیں بلکہ نفع ہے[1]"

اپنے مقالہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی دانست میں سب سے زیادہ زور ربوا کی "جامع اور مانع" تعریف متعین کرنے میں صرف فرمایا ہے۔ آپ نے آیات سود پر بحث کرتے ہوئے ان کی "تاریخی ترتیب کی روشنی میں" یہ فیصلہ کیا ہے کہ تحریم کے سلسلے کی آیات میں سورۂ آل عمران کی آیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں ربوا کی بنیادی علت اضعافا مضاعفا (کذا) (چند در چند ہونا) بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے طبری کے حوالے سے مشہور تابعی مفسر قرآن حضرت مجاہد سے بیان کردہ روایت پیش کی ہے کہ یہی چند در چند ہونے والا سود ربا، جاہلیت تھا۔

---

[1] مندرجہ بالا پیراگراف کو واوین (INVERTED COMMAS) میں دیکر عجمی صاحب نے یہ تاثر قائم کیا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی تحریر کا اقتباس ہے۔ انہوں نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ درمیان عبارت میں پہلے تو احادیث کے لئے خود ہی لفظ "ناقص" استعمال کیا، پھر خود ہی اسے کفر قرار دیکر الزام ڈاکٹر صاحب کے سر ڈالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے قوسین (BRACKETS) میں کہا کہ "نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نہ باشد" معلوم نہیں یہ سب عالم "بینات" کے محترم سرپرست کی نظر سے گزرا یا نہیں۔ اور اگر گزرا ہے تو ہم حیران ہیں کہ انہوں نے کن دینی اور علمی مصلحتوں کے پیش نظر [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَلِیداً (الشعراء، ۲۶: ۱۸ پالا؟)

زیادتی، بڑھوتری کسی قسم کی۔ (جیسے

فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً۔ (الحاقة، ۶۹: ۱۰) پھر ان پر بڑی سخت گرفت ڈالی۔

أَن تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ (النحل، ۱۶: ۹۲) ایک گروہ کسی دوسرے گروہ سے طاقت میں بڑھ چڑھ گیا ہے۔

ربوا کے اصطلاحی معنی انہیں حقیقی لغوی معنوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ ذیل کی تفصیل سے معلوم ہوگا۔ اس مقالے میں اولاً ہم اس ربوا کی ماہیت پر روشنی ڈالیں گے جس کی ممانعت قرآن حکیم میں آئی ہے۔ دوسرے حصے میں ہم ان فقہی احادیث سے بحث کریں گے جن کی رو سے قرآنی ربوا کو وسعت دیکر اس کا اطلاق مبادلہ اور معاملات کی مختلف شکلوں پر کیا گیا ہے۔ یہ تقسیم اس لئے بھی ضروری ہے کہ جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ ربوا کی دو الگ الگ قسمیں ہیں۔ ایک کو ربا القرآن کہا گیا ہے اور دوسرے کو ربا الحدیث یا ربا الفضل۔

عن مجاهد فی قول الله عز وجل یا ایها الذین امنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة قال ربوا الجاهلية [۲]

لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو انھیں مجاہد کا یہ قول سورۂ بقرہ کی آیات ربوا کی تفسیر کے سلسلے میں نظر نہ آیا کہ

عن مجاهد قال فی الربا الذی نهی الله عنه کانوا فی الجاهلية یکون للرجل علی رجل الدین فیقول لك کذا وکذا فتوخرعنی فیوخر عنه۔

حرام کردہ ربوا کے بارے میں مجاہد سے روایت ہو کہ جاہلیت میں ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہوتا تو وہ کہتا کہ میرے اوپر تیرا اتنا اتنا ہے مجھے مہلت دے پس دی جاتی (اور اس مہلت پر سود لیا جاتا)۔

ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ روایت جس کو ان کے ترجمے کے کرشمے نے نئے معنی پہنائے ہیں [۳] صرف ایک جگہ حضرت مجاہد سے منقول ہے لیکن موخرالذکر روایت دو مختلف اسناد سے مروی ہے۔ پھر تیسرے مقام پر بھی یہ مجاہد

---

[۲] و [۳] تو کیا عجمی صاحب یہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب ان کی طرح حضرت مجاہدؒ کی یہ روایت بغیر ترجمے کے نقل کر دیتے تاکہ عربی نہ جاننے والے مسلمانوں کو دھوکے میں رکھنے میں ان جیسے اصحاب کامیاب رہیں؟ حضرت مجاہدؒ کی روایت بہت صاف اور واضح لفظوں میں ہے۔ اور عربی سے معمولی شُد بُد رکھنے والا بھی جان سکتا ہے کہ اس روایت کی رو سے قرآن حکیم کی اصطلاح ربوا کا اطلاق محض أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ہو جانے والے جاہلیت کے ربوا پر ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسرے حصے میں ہم مختصراً یہ بتائیں گے کہ موجودہ معاشی نظام میں بینک کے منافع (INTEREST) کا کیا مقام ہے۔ اور خاتمہ میں ہم ان مباحث کے نتائج پیش کریں گے۔

(۱)

ربوا اور قرآن

ربوا کے بارے میں قرآن حکیم کا سب سے پہلا ارشاد یہ ہے :-

وما آتیتم من ربًا — اور جو مال تم ربوا میں لگاتے
لیربوا فی اموال — ہو تاکہ لوگوں کی دولت میں
الناس فلا یربوا — بڑھ جائے تو اللہ کے
عند اللہ وما آتیتم من — نزدیک یہ بڑھوتری نہیں
زکوۃ تریدون وجہ اللہ — ہے۔ ہاں البتہ جو زکوٰۃ تم

ہی کا قول ہے :-

عن مجاھد (فنظرۃ الی میسرۃ) قال یؤخرہ ولا یزد علیہ وکان اذا حل دین احدھم فلم یجدما یعطیہ زاد علیہ واخرہ۔

مجاہد سے فنظرۃ میسرۃ الایۃ (مہلت تا وقت سہولت) کی تفسیر میں مروی ہے کہ مدت بڑھا دو اور اضافہ مت کرو۔ اور ہوتا یہ تھا کہ جب کسی شخص کے قرض کی مدت پوری ہو جاتی اور وہ قرض واپس نہ کرتا تو اضافہ کر دیا جاتا اور اس پر مہلت میں توسیع کر دی جاتی۔

یؤخرہ ولا یزد علیہ[۴] — مہلت دو اور بڑھاؤ مت اس پر

بات صرف مجاہد کی ہی نہیں ہے۔ اسی پائے کے دوسرے مفسر قتادہ سے مروی ہے کہ ربا جاہلی یہ تھا کہ ایک شخص مدت مقررہ کے لئے دوسرے سے کچھ خریدتا جب

---

[۴] ربوا کے بارے میں حضرت مجاہد رح سے جتنی روایتیں طبری نے نقل کی ہیں ان میں سے صرف وہ روایت جسے ڈاکٹر صاحب نے نقل کیا ہے، جاہلیت کے ربوا کی تفصیل بتاتی ہے اور اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ جاہلیت کے ربوا کی شرح کیا تھی۔ بقیہ روایتیں جنہیں اب عجمی صاحب نے نقل کر دیا ہے مجمل ہیں اور صرف یہ بتاتی ہیں کہ ربوا قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے عوض راس المال پر اضافہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ اس کی پوری پوری وضاحت موطا امام مالک کی حضرت زید بن اسلم رح والی روایت سے ہو جاتی ہے جسے ڈاکٹر صاحب اپنی بحث کے آغاز ہی میں پیش کر چکے ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ) اس لئے حضرت مجاہد رح کی ان روایتوں کو جن میں اسی مضمون کو نسبتاً اختصار کے ساتھ دہرایا گیا ہے، نقل کرنا سراسر عبث تھا۔ یہ اضافہ کس شرح پر ہوتا تھا؟ یہ سوال سارے مسئلے کی جان ہے۔ اس کا جواب اس روایت (زیر بحث) میں درج ہے جس کا ترجمہ کرنے سے عجمی صاحب شرماتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب سے ناراض ہیں کہ انہوں نے اس کا ترجمہ کیوں پیش کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاولٰئك هم المضعفون — دیتے ہو کہ اللہ کی خوشنودی (الروم، ۳۰: ۳۹) حاصل ہو تو یقیناً اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی دولت دوچند سہ چند ہوتی ہے۔

یہ آیت سورۂ روم کی ہے جس کے تمامتر مکی ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ (ملاحظہ ہو امام سیوطی رح کی 'الاتقان فی علوم القرآن'، مطبع موسویۃ مصر، ۱۲۷۸ھ، ج ۱، ص ۱۱ تا ۲۲)۔ اس کی ابتدائی آیات کی داخلی شہادت اس امر پر دال ہے کہ یہ بعثت

وقت مقررہ پر رقم ادا نہ کر سکتا تو اس (قرض) میں اضافہ کیا جاتا اور مدت بڑھا دی جاتی۔

پھر اسی ام التفاسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ

ان التحریم من اللہ فی ذالک کان بکل معانی الربوا — آیت میں سود اس کے ہر ہر معانی میں حرام ہے[۵]

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ خبر کہ

لعن اللہ آکل الربوا و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ — اللہ کی لعنت ہے سود کھانے کھلانے، لکھنے اور گواہی دینے

۵؎ یہ جملہ تفسیر طبری (مطبوعہ دار المعارف، مصر) جلد ۶ ص ۱۱ تا ۱۲ کی ایک عبارت سے ماخوذ ہے لیکن مواخذہ اخروی سے قطعاً بے پرواہ ہو کر اس میں تحریفیں کی گئی ہیں۔ وہ عبارت جس سے یہ جملہ لیا گیا ہے کسی صحابی یا تابعی کی روایت نہیں ہے کہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ "اسی ام التفاسیر میں یہ مروی ہے"۔ بلکہ یہ عبارت ایک مفروضہ سوال کا طبری کی طرف سے جواب ہے۔ عبارت یوں شروع ہوتی ہے:۔

فان قال لنا قائل: أفرأيت من عمل ما نهى الله عنه من الربا في تجارته ولم يأكله أيستحق هذا الوعيد من الله؟ قيل: نعم۔ — "اگر کوئی اگر ہم سے کوئی شخص کہے کہ تجارت میں ربوا کا بیوپار کرتا ہو لیکن خود ربوا کھاتا نہ ہو (یعنی ربوا کی رقم اپنے استعمال میں نہ لاتا ہو) تو کیا وہ بھی اللہ کی وعید کا سزاوار ہے؟" تو اس سے کہا جائیگا کہ "ہاں"۔

آگے چلکر اپنی تائید میں آیت وذروا ما بقی من الربوا سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ

ان التحریم من اللہ فی ذلک کان لکل معانی الربوا وان سواء العمل به واكله واخذه واعطاؤه — اللہ کی طرف سے ربوا کی تمام معنوں میں حرمت آئی ہے اور اس حرمت میں ربوا کا بیوپار، اس کا کھانا، اس کا لینا اور دینا سب برابر ہیں۔

سیاق وسباق عبارت سے اس جملہ کو علیحدہ کر کے اس سے استدلال کرنا یحرفون الکلم عن مواضعہ کا مصداق ہے۔ تعجب ہے کہ مولانا یوسف بنوری صاحب جیسے متقی و محترم عالم دین نے اسکی اجازت کیسے دی۔ ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے ہم یہ باور کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سب ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے چوتھے، یا پانچویں سال یا اس سے بھی قبل اتری
ہے۔ کیونکہ ادنیٰ الارض (عرب کے قریبی ملک) یعنی
ارض شام و فلسطین میں ایرانیوں کے ہاتھوں رومیوں
کی شکست جس کا ذکر ان آیات میں ہے، ۶۱۱ء
(سنہ ۱ نبوی) سے شروع ہوئی اور ۶۱۴ء (سنہ ۴ نبوی)
میں زوال و سقوط بیت المقدس کے بعد اپنے اوج پر
پہنچی۔ (ملاحظہ ہو گبن (GIBBON) کی تاریخ زوال و

والوں پر۔ ۵؎
اور پھر اسی ام التفاسیر میں ضحاک کی وذروا ما بقی ... الخ
کے سلسلے میں یہ روایت کہ

کان ربا یتبایعون به فی	زمانۂ جاہلیت میں خرید و فروخت
الجاهلية فلما اسلموا	میں بھی ربٰوا کا معاملہ ہوتا تھا
امروا ان یاخذوا رؤوس	پس جب وہ ایمان لائے تو حکم دیا
اموالهم۔	گیا کہ (صرف) راس المال لیں۔ ۶؎

۶؎ قرآنِ حکیم نے جس ربٰوا کو اللہ اور اس کے رسول ص کے ساتھ جنگ قرار دیا ہے یقیناً اس کے کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے اور گواہی دینے والے سب اللہ اور اس کے رسول ص کے خلاف جنگ میں شریک قرار پا جائیں گے۔ جو لعنت سے بھی بدرجہا بدتر شے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ ربٰوا، وہ مہیب جرم کیا ہے؟ کیا بنکوں پر اس کا اطلاق ممکن ہے؟ اور اگر ہے تو کیا بنکوں میں حساب جمع کرانے والے اس جرم بغاوت میں برابر کے شریک ہیں؟ ان سوالات کا جواب اس حدیث میں یقیناً نہیں ہے۔ پھر اسے یہاں نقل کرنے سے کیا فائدہ مقصود ہے جبکہ یہاں ربٰوا کی مذمت زیرِ بحث نہیں ہے بلکہ ربٰوا کی ماہیت زیرِ غور ہے؟ اور ربٰوا کی مذمت سے آخر کس مسلمان کو انکار ہے؟ اس کی حرمت تو ایک بدیہی امر ہے۔ لیکن اس کی ماہیت کا جاننا ضروری ہے۔ جب جاہلیت کے ربٰوا کو قرآن نے حرام قرار دیا تو اسے ترک کرنے کے بعد تو سوال صرف یہ رہتا تھا کہ قرض خواہ مقروض سے اپنا اصلِ زر بھی واپس لے یا نہ لے قرآن نے اصل زر (راس المال) واپس لینے کی اجازت یہ کہکر دی کہ (وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ (اگر تم توبہ کرلو تو راس المال تمہارا ہے) لیکن قرآن کی نگاہ میں یہ بھی ایک رعایت تھی۔ کیونکہ وہ تو دراصل نظامِ صدقہ کا داعی ہے۔ اس لئے اس نے اسی سلسلۂ آیات میں آگے چلکر کہا ہے کہ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (اور اگر تم راس المال بھی صدقہ کردو تو تمہارے لئے بہتر ہے) ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالے میں قرآنی نظامِ معیشت میں صدقے کی مرکزی حیثیت کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صرف راس المال واپس لے لینے یا اسے بھی مقروض کو صدقتہً دے دینے کے احکام سے یا اس مضمون کی روایتوں سے جاہلیت کے ربٰوا کی حقیقت اور جس ربٰوا کو قرآن نے حرام اور اللہ اور اس کے رسول ص کے خلاف جنگ قرار دیا ہے، اس کی ماہیت کیونکر معلوم ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کا مقصد جیسا کہ وہ مقالہ کے شروع میں بتا چکے ہیں اس ربٰوا کی حقیقت کو سمجھنا اور اس فہم کی روشنی میں موجودہ اقتصادی حالات کا جائزہ لیکر راہِ عمل متعین کرنا ہے۔ ربٰوا سے متعلق مختلف روایات کا مجموعہ مرتب کرنا ہرگز ان کا مقصد نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سقوط سلطنت روما HISTORY OF THE DECLINE AND FALL OF THE ROMAN EMPIRE باب ۴۶)۔ ربوا کی مذمت کا قرآن کی ابتدائی آیات میں نازل ہونا تعجب کی بات نہیں بلکہ ایسا نہ ہونا سخت حیرت انگیز اور قرآن کی حکمت بالغہ کے منافی ہوتا۔ قرآن کی مکی سورتیں اپنے زمانے کے مکے کے غیر منصفانہ معاشی نظام کی مذمت، اس وقت کے امراء کی نفع اندوزی اور بخل پر زجر و توبیخ، اور بنیادی تجارتی خرابیوں (مثلاً کم تولنے کم ناپنے) کی ممانعت سے پُر ہیں، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ربوا جیسی بڑی خرابی پر تنبیہ نہ کی جاتی؟ یہ ضرور ہے کہ اس وقت تک اسلام کو وہ اقتدار نہیں حاصل ہوا تھا جس سے اس برائی کا مکمل سدباب کیا جاتا اور اس مقصد کے پیش نظر اس کی حرمت کا اعلان کیا جاتا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس مکی آیت میں ربوا کی صرف

یہ تمام کی تمام روایات اسی تفسیر طبری میں جگہ جگہ موجود ہیں جس کو ام التفاسیر تسلیم کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی انصاف پسندی اور خوش عقیدگی کا ڈھنڈورہ پیٹا ہے، ہم یہ دریافت کرنے کی جرأت کریں گے کہ آخر اس قدر روایات کے ہوتے ہوئے آپ نے اپنی ایک آنکھ کیوں بند کر لی تھی۔ ربوا کے ساتھ راس المال کا معاملہ جہاں جہاں آیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب اس کو بھی پیش فرما دیتے تو یقیناً اس تحقیق ٹکنیک کا مقصد فوت ہو جاتا جس کے حصول کے لئے وہ عیسائی مستشرقوں کا اپنے آپ کو دست نگر قرار دیتے ہیں۔ آخر سمجھ میں نہیں آتا کہ وذروا ما بقی من الربوا سے ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ کیسے نکالا کہ قرض دار صرف ربا بالاقساط ادا کرتا رہتا تھا پھر بھی وہ "ربوی سود" ادا نہ کر پاتا تھا[۵۸]۔ اور اصلی ممانعت اس لمبے چوڑے سود کی ہے کیونکہ یہ اضعافاً مضاعفاً (کذا)[۲] ہو جاتا تھا۔ حالانکہ اگر ذرا سی تکلیف فرما کر ڈاکٹر صاحب

---

۵۸ جواب کے لئے تفسیر طبری جلد ۴ کے صفحات ۲۲ تا ۲۴ ملاحظہ کیجئے۔ جن کا خلاصہ ڈاکٹر صاحب نے ص۷۷ پر درج کر دیا ہے۔ عجمی صاحب کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن مولانا یوسف بنوری جیسے حدیث کے عالم کے بارے میں تعجب ہے کہ انہوں نے ذروا ما بقی من الربوا والی آیت کی شان نزول والی روایات سے قطع نظر کر کے بلکہ ان کے برخلاف اس سے استناد کیسے روا رکھا؟ ان کا اور ان کے ساتھیوں کا سارا زور اسی آیت پر ہے۔ حالانکہ اس کی شان نزول کی روایت کی روشنی میں اس سے ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو حاشیہ ۷ (ما سبق) اور ۹ (ما بعد)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخلاقی بے وقعتی اور اس کے مقابلے میں صدقات کی اللہ کے نزدیک مقبولیت، کا ذکر کیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد جب اسلام کو اقتدار ملا تو ربوا کی حرمت کا اعلان مدنی سورہ آل عمران کی اس آیت میں کیا گیا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا	اے ایمان والو یہ دوچند سہ چند
الربوا اضعافا مضاعفة	ہوتے ربوا کھانا چھوڑ دو اور
واتقوا اللہ لعلکم تفلحون	اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ
(آل عمران ۳: ۱۳۰)۔	فلاح پاؤ گے۔

اس کے بعد اسی ممانعت کا اعادہ شدید تاکیدی الفاظ میں جن کے ساتھ تہدید بھی شامل ہے، سورہ بقرہ کی آیات ۲۷۴ تا ۲۸۰ میں کیا گیا۔ آیات یہ ہیں:۔

الذین یاکلون الربا لا	جو لوگ ربوا لیتے ہیں اور اس
یقومون الا کما یقوم الذی	سے اپنا پیٹ پالتے ہیں وہ
یتخبطہ الشیطان من	کھڑے نہیں ہو سکیں گے
المس ذالک بانھم	مگر اس آدمی کا سا کھڑا ہونا
قالوا انما البیع مثل الربوا	جسے شیطان کی چھوت
واحل اللہ البیع وحرم الربوا	نے باؤلا کر دیا ہو۔ یہ اس لئے
فمن جاءہ موعظۃ من	ہوگا کہ انہوں نے ربوا کے
ربہ فانتھی فلہ ما	ناجائز ہونے سے انکار کیا
سلف وامرہ الی اللہ ومن	اور) کہا کہ خرید و فروخت
عاد فاولئک اصحاب	کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے
النار ھم فیھا خالدون	ربوا کا لین دین ...

طبری ہی کی وہ تمام روایتیں ملاحظہ فرما لیتے جو اس کے بعد کی آیت وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم الخ کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں تو کیا قاضی اسمتھ گا کر جاتا۔ یہ ہیں وہ روایتیں۔

ان تبتم فترکتم اکل الربوا	اگر تم نے توبہ کی سود کھانا چھوڑا
وانبتم الی اللہ عز وجل	اور اللہ کی طرف پھرے تو
فلکم رؤوس اموالکم	تمہارے لئے راس المال
من الدیون التی لکم	ہے، تمہارے ان قرضوں
علی الناس دون الزیادۃ	کا جو تم نے دے رکھے ہیں اور
التی احدثتموھا علی	بغیر اس زیادتی کے ہوگا جو تم
ذالک ربا منکم۔	نے اس پر لگا رکھی ہو ربوا قرار دیکر

بروایت قتادہ:۔

المال الذی لھم علی	ان کا جو مال لوگوں کے اوپر
ظھور الرجال جعل لھم	واجب ہے، جب یہ آیت
رؤوس اموالھم حین	نازل ہوئی تو ان کیلئے صرف
نزلت ھذہ الآیۃ۔ اما	راس المال کو برقرار رکھا اور
الربح والفضل فلیس	نفع اور زیادتی کے متعلق فیصلہ
لھم ولا ینبغی لھم	کیا کہ وہ ان کا نہیں اور ان سے
ان یاخذوا منہ شیئا	کچھ بھی لینا ان کے لئے جائز نہیں

بروایت ضحاک:۔

وضع اللہ الربا وجعل لھم	اللہ تعالیٰ نے سود کو اٹھا دیا
رؤوس اموالھم	اور ان کے لئے راس المال
	برقرار رکھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يمحق الله الربوا ويربي الصدقات والله لا يحب كل كفار اثيم ان الذين آمنوا وعملوا الصالحات واقاموا الصلوة وآتوا الزكوة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربوا ان كنتم مومنين فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله وان تبتم فلكم رؤس اموالكم لا تظلمون

خرید و فروخت کو تو خدا نے حلال ٹھہرایا ہے اور ربوا کو حرام۔ سو اب جس کسی کو اس کے پروردگار کی یہ نصیحت پہنچ گئی اور وہ آئندہ ربوا لینے سے رک گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہو چکا ہے اس کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، لیکن جو کوئی باز نہ آیا تو وہ دوزخی گروہ میں سے ہے ہمیشہ عذاب میں رہنے والا۔ اللہ ربوا کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور تمام ایسے لوگوں کو جو نعمت الٰہی کے ناسپاس گزار اور نافرمان

قتادہ کا دوسرا قول :۔

ما کان لهم من دین فجعل لهم ان یاخذوا رؤس اموالهم ولا یزدادوا علیه شیئا۔

ان کے قرضوں کے لئے یہ حکم وارد ہوا کہ وہ اپنا اصل زر لے لیں اور ان پر کچھ بھی زیادہ نہ لیں۔

سدی سے مروی ہے :۔

الذی اسلفتم وسقط الربوا۔

صرف وہ جو تم نے قرض دیا اور ربا ختم۔ ۹

اور تو اور خود ڈاکٹر صاحب کو زید بن اسلم سے جو اثر منقول نظر آیا وہ وہی تھا جس میں دوگنا چوگنا سرمایہ ہو جانے کی بشارت ہے حالانکہ انہیں زید بن اسلم سے عین اسناد کے انہیں ساتھ فلکم رؤس اموالکم الخ کے ضمن میں جو اثر مروی ہے وہ صاف الفاظ میں یہ ہے کہ نہ تو تمہارے مال میں کچھ کم کیا جائے اور نہ تم وہ باطل مال لو جو تمہارے

لے مکرر عرض ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک اصل سوال مقروض سے صرف راس المال لینے کا نہیں بلکہ اسے سارا قرض بخش دینے کا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ایسا نظام معیشت قائم کرنے کا ہے جس میں قرض لینے کی نوبت ہی نہ آئے اور آجکل کے حالات میں ہمارے نزدیک یہ اسی وقت ممکن ہے جب اسلامی رفاہی تعاونی دولت مشترکہ ISLAMIC WELFARE CO-OPERATIVE COMMONWEALTH قائم ہو، جیسا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے مقالے میں واضح کر چکے ہیں۔ اس مثبت تجویز کے سلسلے میں علمائے کرام کو [illegible] لیکن مقام افسوس ہے کہ اس محترم طبقے کی طرف سے [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ولا تظلمون وان کان
ذوعسرة فنظرة الی
میسرة وان تصدقوا
خیر لکم ان کنتم تعلمون

ہیں اللہ کی پسندیدگی حاصل
نہیں ہوسکتی جو لوگ اللہ پر ایمان
رکھتے ہیں اور ان کے کام بھی
اچھے ہیں نیز نماز قائم کرتے
اور زکواۃ ادا کرتے ہیں تو بلاشبہ
ان کے پروردگار کے حضور ان کا
اجر ہے۔ تو ان کیلئے کسی طرح
کا ڈر ہوسکتا ہے نہ کسی طرح کی
غمگینی۔ اے ایمان والو اگر
فی الحقیقت تم اللہ پر ایمان
رکھتے ہو تو اس سے ڈرو اور

لئے حلال نہیں ہے ۔ لاتنفقون من اموالکم ولاتاخذون ماطلا لایحل لکم [1] اور امام طبری نے صرف روایتیں یکجا کردینے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان مختلف روایتوں سے جو نتیجہ عقل سلیم قبول کرسکتی ہے اسے نکال کر پیش کردیا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

یاخذکم رؤس اموالکم التی کانت لکم قبل الارباء علی غرمائکم منھم دون ارباحھا التی زدتموھا ربا علی من اخذتم ذالک منہ من غرمائکم لم یکن لکم قبل ولا الغریم الذی یعطیکم ذالک دون الربا الذی کنتم الزمتموہ

---

[1] حضرت زید بن اسلم رح کی دو روایتیں ڈاکٹر صاحب نے نقل کی ہیں ایک تو وہ جسے امام مالک رح نے اپنے مؤطا میں درج کیا ہے (ملاحظہ ہو ص [illegible]) اور دوسری وہ روایت جس میں بالکل کھلے لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ انما کان الربا فی الجاھلیۃ فی التضعیف ("بیشک جاہلیت میں ربا صرف تضعیف میں تھا") (ملاحظہ ہو ص [illegible]) حضرت مجاہد رح کی تفسیر اوپر گزر چکی جسے عجمی صاحب ترجمہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ اس کی مزید تاکید حضرت زید بن اسلم رح کی مندرجہ بالا واضح روایت سے ہو رہی ہے اور تاکید مزید در تاکید وذروا مابقی من الربوا کی شان نزول والی روایت سے ہو رہی ہے۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ [illegible]) ان روایتوں کی موجودگی میں مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا مفتی محمد شفیع کی خاموشی قابل فہم ہے لیکن عجمی صاحب بھلا کیوں خاموش رہیں؟ وہ حضرت زید بن اسلم رح کی ایک تیسری روایت اس طرح نقل کررہے ہیں جیسے اس سے دوسری روایتوں کی تکذیب ہوتی ہے۔ حالانکہ جیسا کہ ظاہر ہے اس تیسری روایت میں صرف یہ کہا گیا کہ لاتنفقون من اموالکم ولاتاخذون ماطلا لایحل لکم ("نہ تو تم اپنے مال میں سے خرچ کرو نہ تم وہ باطل مال لو جو تمہارے لئے حلال نہیں ہے") ہم حیران ہیں کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ جاہلیت کے ربوا کی اصل اس کا اضعافا مضاعفۃ ہونا نہیں تھا یا یہ کہ بینک انٹرسٹ ربوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس قدر ربوا مقروضوں کے
ذمے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو.
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور
اس کے رسول سے جنگ کرنے
کیلئے تیار ہو جاؤ اور اگر اس سے
توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی
اصل رقم لے لو اور ربوا چھوڑ دو نہ تو تم
کسی پر ظلم کرو نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے
اور اگر ایسا ہو کہ مقروض تنگدست ہے تو چاہئے کہ
اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت
دی جائے ۔ اور اگر تم سمجھ رکھتے
ہو تو تمہارے لئے بہتری کی بات
تو یہ ہے کہ اس کا قرض بطور
خیرات بخش دو۔

سیاق عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات تحریم ربوا کے سلسلے کی آخری آیات ہیں۔ بعض روایات میں اس امر کو وسعت دیکر کہا گیا ہے کہ یہ قرآن کی آخری آیتیں ہیں جو نازل ہوئیں، اور یہی بات اور زیادہ پھیل کر حضرت عمرؓ کی طرف یوں منسوب ہوئی کہ ربوا کی تحریم کا حکم سب سے آخر میں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد زیادہ عرصہ اس دنیا میں

من اجل الزيادة فى الاجل نحسبكم محضا لكم عليه فيمنعكموه كان مازاد على رؤس اموالكم لم يكن حقا لكم عليه فيكون بمنعه اياكم ذالك ظالما لكم۔

ڈاکٹر صاحب دو گنے چوگنے کو لئے پھرتے ہیں حالانکہ کلام الٰہی تو غریبوں کے لئے (وان تصدقوا خیر لکم: اگر صدقہ کر دو تو تمہارے لئے اور بھی اچھا ہے) کا حکم سناتا ہے۔ قتادہ، ضحاک، ابراہیم اور الربیع کی روایات ملاحظہ فرماکر غور کریں۔ سدی نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضؓ نے یہ آیت سن کر غریب مقروض پر قرض کا صدقہ کر دیا[11]

اصل مشکل تو یہ ہے کہ فاضل ڈاکٹر صاحب نے ان، حتمی اور فیصلہ کن آیات ہی کو شہید کر دیا جس کی بنیاد پر اتنی صاف اور واضح ہدایات مل سکتی تھیں اور آپ نے اپنا سارا زور رمغز اس آیت سے مجاہدہ کرنے میں ضائع کر دیا جس میں ایک فقرہ اضعافاً مضاعفة کتا، ان کی من مانی تاویلات، روایات کی قطع و برید احادیث کی کتر بیونت اور علما کی طعن و تشنیع کا بہترین موقع فراہم کر سکتا تھا[12] پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے القرآن یفسر بعضه بعضا کے مسلمہ اصول کی بنا پر ربا القرآن کو سمجھنے کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس میں ہمیں شروع سے

---

[11] لیکن کیا اس سے یہ لازم آئیگا کہ اگر حضرت عباسؓ مقروض کو اس کا قرض صدقہ کے طور پر نہ دیدیتے تو وہ ربوا ہو جاتا؟

[12] یہی وہ آیت ہے جس میں ربوا کی حرمت کے لئے علت الحکم اور جامع ایت کی ربوا کی حقیقت بیان کی گئی ہے اور یہی آیت تحریم ربوا کے سلسلے کی آیات کی بنیادی کڑی ہے

©rasailojaraid.com